جبری شادی اور برطانوی قانون

تحریر: سہیل احمد لون

قانون قدرت کو سمجھا تو جا سکتا ہے لیکن اس کو توڑنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ۔تاریخ گواہ ہے جس نے بھی قدرت کے قانون کو توڑنے کی کوشش کی وہ تاریخ کا حصہ بن گیا۔ کائنات کا سارا نظام ایک قانون کے تابع ہے قدرت کی اس تخلیق کو انسان نے مشاہدے اور تحقیق سے اپنا ارتقائی سفر جاری و ساری رکھتے ہوئے سمجھا اور دوسرے انسانوں تک پہنچایا۔ مہذب معاشرے میں زندگی کے معاملات احسن طریق سے چلانے کے لیے اصول ،قانون اور ضوابط وضع کرنے پڑتے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر مفید شہری بنا جا سکتا ہے۔انسان کے بنائے ہوئے قوانین میں اکثر وقت، حالات اور جغرافیائی و سماجی ضرورت کے تحت تبدیلی آتی رہتی ہے۔ بدقسمتی سے قانون سازی کرتے وقت مخصوص طبقات کے مفادات کا خیال رکھا جاتا ہے جہاں مساوات نہ ہو وہاں عدل بھی نہیں ہو سکتا۔ دنیا نظام معیشت کے پہیہ کے گرد گھومتی ہے جس کا کنٹرول ڈبلیو ٹی او کے پاس ہے۔اس تنظیم کے بنائے ہوئے اصول اور قانون کا اگر جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت سے پردہ چاک ہوتا ہے کہ کس طرح طاقتور ممالک ترقی پزیر ممالک سے زیادتیاں اور ناانصافیاں کرتے ہیں۔اسی طرح دنیا میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے یو این او کا کردار بھی غیر منصفانہ ہے۔انہوں نے بھی ایسے قوانین بنا رکھے ہیں جس سے اختیارات کے پلڑے میں صرف امیر یا طاقتور ممالک ہیں جبکہ ذمہ داری کی بات آئے تو غریب اور کمزور ممالک کی شامت آ جاتی ہے۔ طاقتور ممالک غریب ممالک کے ساتھ دوطرفہ یا کثیر الطرفہ معاہدات کر کے ان کو ترقی کے اقدام قرار دیتے ہیں۔ وہ تشہیر کے ذریعے اپنے ہر سیاسی اور غیر سیاسی قدم کو دنیا کی بہتری کے لیے لازمی ثابت کر دیتے ہیں۔ وہ تشہیر کے ذریعے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ دنیا کے غریب ممالک اپنا اچھا برا نہیں سمجھتے ۔ وہ غریبوں کے مفادات کی حفاظت کر رہے ہیں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طاقتور ممالک غریبوں کے حق کی جنگ لڑ رہے ہیں یا اپنے مفادات کی؟ موجودہ تجارتی نظام دنیا میں معیار زندگی کو بہتر بنا رہا ہے یا نہیں؟ دوطرفہ، کثیر الطرفہ اور وسیع تر مفادات سے دنیا کے غریب عوام کو فائدہ ہو رہا ہے یا کسی مخصوص طبقہ کو؟ طاقتور اپنے آپ کو مزید تحفظ دینے کے لیے آئے دن کسی نئے قانون کو متعارف کرواتا رہتا ہے۔ وطن عزیز میں بھی ان دنوں قانون شکن نئے قانون بنا کر اپنے آپ کو تحفظ فراہم کرنے کے چکر میں ہیں۔ حالات دیکھ کر یہی لگتا ہے کہ ریفری دونوں ٹیموں کے فاؤل کھیلنے والے کھلاڑیوں کو ریڈ کارڈ دکھا کر میدان سے باہر کر دے گا اور میچ بھی منسوخ کر دیا جائے گا۔اس کے بعد نئے میچ کی تاریخ دی جائے گی جس میں وہ کھلاڑی جن کو ریڈ کارڈ دکھایا گیا ہو گا میدان میں اترنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ ان میں سے کچھ کھلاڑی بیرون ملک کاؤنٹی کھیل کر اپنا دل بہلائیں گے۔ پاکستان کی طرح برطانیہ میں بھی ان دنوں قانون سازی کا عمل بڑی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ 11 جولائی کو پارلیمنٹ ہاؤس میں ساؤتھ ایشن کیمونٹی کا بحث و مباحثے کا ایک پروگرام ہوا جس کی صدارت لارڈ قربان حسین اور ممبر آف پارلیمنٹ جناب خالد محمود نے کی۔ جس میں پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور سری لنکا کے دانشور خواتین و حضرات نے حصہ لیا۔اس اجلاس میں جبری شادیوں کے قانون کو زیر بحث لایا گیا جو برطانیہ میں نافذ کیا جا رہا ہے۔شرکاء میں سے اکثریت نے اس

قانون کی مخالفت میں اپنی رائے دی۔اس قانون کے تحت والدین کو جبری شادی کروانے پر جیل بھیجا جا سکے گا۔قانون سازی کرنے والوں کے بقول جبری شادیوں کی سب سے زیادہ شرح پاکستانیوں میں ہے۔یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا حکومت واقعی انسانی ہمدردی کے تحت یہ قانون نافذ کر رہی ہے؟اگر مقصد یہی ہے تو اس کو آج سے 30 برس قبل متعارف کیوں نہ کروایا گیا؟ آج تو حالات بدل چکے ہیں والدین بیچارے تو بچے کے سامنے معصوم نظر آتے ہیں۔آج کا بچہ اظہار رائے میں جتنا آزاد تھا اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔دنیا اس وقت معاشی بحران سے گزر رہی ہے اور بدقسمتی سے برطانیہ بھی اس کی زد سے نہ بچ سکا۔معاشی بدحالی کا ذمہ دار امیگرانٹس کو سمجھا جاتا ہے اس کی تشہیر بھی غیر محسوس طریقے سے کی جاتی ہے۔امیگرینٹس سے نبٹنے کے لیے گزشتہ کچھ مہینوں میں ویزا پالیسوں میں کئی ترامیم کی گئیں۔جس کی وجہ سے اب بزنس ،وزٹ، فیملی وزٹ اور سٹوڈنٹ ویزا کے حصول میں کافی دشواریاں پیدا کر دی گئیں ہیں۔ان اقدامات کے بعد صرف(Spouse Visa) ہی رہ گیا تھا جس کے ذریعے لوگ ابھی تک برطانیہ آ رہے تھے۔لہذا جبری شادیوں کا قانون متعارف کروا کر مزید امیگرانٹس کو کنٹرول کیا جا رہا ہے۔اب(Spouse Visa) کے حصول کے لیے بھی پیچیدگیاں بڑھائی جا رہی ہیں جس سے برطانیہ میں مقیم ساؤتھ ایشن کو اپنے بچوں کی شادیوں میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ایسی تشہیر کی جا رہی ہے جس سے یوں لگتا ہے جیسے(Arrange marriages) ہی جبری شادی ہو۔دنیا کے کسی مذہب میں شادی جبراً نہیں ہو سکتی۔اسلام میں تو صبر ہے مگر جبر نہیں ..... کیونکہ جبر میں اجر نہیں!شادی کے معاملے میں لڑکی ،لڑکے کی رضامندی کے بغیر نکاح ممکن نہیں۔زبردستی سے کی ہوئی شادی حرام اور بدکاری کے زمرے میں آتی ہے جو کسی صورت جائز نہیں۔جبری شادیوں کے قانون سے ایک مخصوص طبقہ ٹارگٹ ہو گا۔جس میں ساؤتھ ایشن شامل ہیں۔حالانکہ برطانیہ کی معیشت میں ساؤتھ ایشن کا کردار بڑا مثبت اور کلیدی ہے۔اگر ان کو اپنے ملک سے آنے سے روکنا ہی مقصود ہے تو شادی جیسے مقدس رشتے کو استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔جہاں تک امیگرینٹس کے برطانیہ سمیت دیگر ترقی یافتہ ممالک میں آنے کا تعلق ہے تو اس میں ان کا اپنا قصور ہے۔دہشت گردی کے نام پر آگ وخون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے جس پر کئی قیمتی جانوں سمیت بے بہا پیسہ برباد ہو رہا ہے۔جس سے ساری دنیا کی معیشت کمزور ہو رہی ہے۔جو ملک حالت جنگ میں رہے گا وہاں عدم تحفظ کے شکار لوگ ملک چھوڑ کر دوسرے ممالک کا رخ نہیں کریں گے تو کیا کریں گے؟جو پیسہ جنگ میں خرچ کیا گیا ہے وہی پیسہ اگر ان ممالک کے ترقیاتی کاموں پر لگا ہوتا تو آج ایسی نوبت نہ آتی۔کوئی بھی خوشی سے اپنا ملک نہیں چھوڑتا کوئی مجبوری اس کو ایسا قدم اٹھانے پر مجبور کرتی ہے۔کیا جبری شادیوں کا قانون بنا کر امیگرانٹس کا یہ سلسلہ رک جائے گا؟اگر پھر بھی نہ رکا تو کیا ہو گا؟آئندہ ایسا قانون بھی متعارف کروایا جا سکتا ہے کہ اگر جرم بچہ کرے تو والدین کو بچے سمیت ڈیپورٹ کر دیا جائے۔ قانون بنانے یا اس میں ترمیم کرنے میں کوئی حرج نہیں مگر اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس کے اطلاق سے کسی مخصوص طبقے کو فائدہ اور کسی کو نقصان تو نہیں ہو رہا۔ قانون بناتے وقت یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے اگر قانون بنانے والا قانون توڑنے والے کو سزا دے سکتا ہے تو دل بنانے والا دل توڑنے والے کو بھی سزا دے سکتا ہے۔شادی تو دو دلوں کے ملاپ کا نام ہے اس کے درمیان اگر قانون کی دیوار کھڑی کرنے کی کوشش کی جائے گی تو دل ٹوٹ بھی سکتا ہے۔جس کی سزا دنیا کہ ہر سماج میں ایک جیسی ہے۔برطانیہ کبھی دنیا میں کالے قانون بناتا تھا لیکن اپنی سرزمین

پر اُس کی قانون سازی کبھی متعصّبانہ نہیں ہوتی تھی لیکن بُری معیشت نہیں جہاں تعلیم جو کہ بنیادی حق ہے اُس کو برطانیہ کی سب سے بڑی انڈسٹری بنا دیا ہے وہاں اُس کے اپنے لوگوں کیلئے کی جانے والی قانون سازی سے بھی سازش اور تعصب کو تعفن اٹھ رہا ہے۔

تحریر: سہیل احمد لون

sohailloun@gmail.com